مسلمان کے دینی فرائض

میر قطب الدین علی چشتی
مہتمم دارالعلوم انوار الھدیٰ حیدرآباد دکن انڈیا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَفْضَلِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن

قابلِ احترام امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب (دامت برکاتہم)

علمائے کرام، بزرگانِ محترم، نوجوانانِ عزیز و معزز خواتین

اسلامی تہذیب و تمدن کے ایک عظیم مرکز اور علومِ قرآنی کے مخزن سرزمین لاہور پر صدر و مؤسس انجمن خدام القرآن و امیر تنظیم اسلامی حضرت ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ کی دعوت پر یہاں قرآن اکیڈمی لاہور میں مجھے پہلی بار حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ہے گذشتہ سال مجلس اشاعتِ اسلام حیدرآباد دکن کی دعوت پر ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی حیدرآباد دکن تشریف آوری کے نتیجے میں ڈاکٹر صاحب سے پہلی مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا ویسے شہر حیدرآباد میں ڈاکٹر صاحب کی تشریف آوری سے قبل بھی ڈاکٹر صاحب کے اثر انگیز درس قرآن کے بیسیوں کیسٹس سے استفادے کے مواقع حاصل ہو چکے تھے جس کے نتیجے میں ڈاکٹر صاحب کے طرزِ استدلال اور اندازِ تفہیم سے میں بے حد متاثر تھا میری طرح ہماری مجلسِ اشاعت اسلام حیدرآباد دکن کے بعض عہدہ دار و اراکین نیز بعض علمائے کرام بھی جن کو ڈاکٹر صاحب کے کیسٹس سننے کے مواقع ملے ڈاکٹر صاحب کی قرآن دانی اور اعلیٰ ترین سطح پر عصری اسلوب میں قرآن کریم کی دلنشین تفہیم سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، چنانچہ ہماری مجلسِ اشاعتِ اسلام کے ذمہ دار اور دیگر دینی ذوق اور علمی پیاس رکھنے والے حضرات سے مشاورت کے بعد مجلسِ اشاعتِ اسلام کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کو حیدرآباد تشریف آوری کی زحمت دینا طے کیا گیا چنانچہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی خدمت میں دعوت پیش کر دی گئی اور ڈاکٹر صاحب نے باوجود گوناگوں مصروفیات کے ازراہِ نوازش اسے قبول فرمالیا اور دس یوم کے لیے اپنے فرزند عزیز جناب ڈاکٹر عارف رشید صاحب کے ساتھ حیدرآباد دکن

تشریف آوری ہوئی اور اِن دس یوم میں کم از کم پچیس اجتماعات کو اپنے بصیرت افروز دروسِ قرآن و مواعظ
حسنہ سے مستفید فرمایا جنہیں رات کے اجتماعات نہایت عظیم الشان اور تاریخی حیثیت کے حامل رہے۔ شہر حیدرآباد
کے تقریباً تمام ہی مسالک کے مسلمانوں نے عموماً اور تعلیم یافتہ طبقے نے خصوصاً ڈاکٹر صاحب کے اِن خطابات
سے خوب خوب استفادہ کیا اور بہترین تاثر لیا۔ ڈاکٹر صاحب کی موجودگی میں ہی ڈاکٹر صاحب کا ایک اہم
کتابچہ "راہِ نجات" سورہ والعصر کی روشنی میں مجلس اشاعتِ اسلام کی جانب سے ہزاروں کی تعداد
میں شائع کیا گیا اور عوام و خواص کی ایک کثیر تعداد نے اُس سے استفادہ کیا۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب
کی تقاریر اور دروسِ قرآن کے سینکڑوں کیسٹس مجلس اشاعتِ اسلام کی جانب سے ٹیپ کروا کر پھیلائے
گئے۔ اور پھیلائے جا رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے لاہور واپس تشریف لیجانے کے بعد ڈاکٹر صاحب
کی ہدایات کی روشنی میں قرآن اکیڈمی آف انڈیا کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے صدر حیدرآباد کی مشہور
شخصیت اُستاذ الاساتذہ جناب محترم قاری محمد عبد العلیم صاحب مدظلہ معتمد عمومی آل انڈیا مجلسِ قرأت
منتخب کیے گئے۔ شہر حیدرآباد اور بیرون کے تین نامور اہلِ علم نائب صدر کی حیثیت سے منتخب ہوئے
اور احقر کو بحیثیت معتمد عمومی منتخب کیا گیا۔ علاوہ ازیں ایک آرگنائزنگ سکریٹری، ایک جائنٹ سکریٹری
ایک خازن اور مزید چند اراکین بھی منتخب کیے گئے۔ ہماری اس قرآن اکیڈمی کے صدرِ محترم اور ایک
رکن حافظ قاری سید نصیر الدین علی سکریٹری دار العلوم انوار الہدیٰ حیدرآباد دکن بھی ہماری اس مجلس میں
شریک ہیں۔ ہماری قرآن اکیڈمی کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کی ایک اہم اور مشہور تصنیف "مسلمانوں
پر قرآن مجید کے حقوق" کی اشاعت عمل میں لائی گئی۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے کمال اخلاص اور وسعتِ قلبی کی بنیاد پر اصحابِ علم و فضل کے ساتھ
مجھ جیسے کم تر بین اور کم مایہ طالبِ علم کو بھی بطور ہمت افزائی محاضراتِ قرآنی کی اِس خالص علمی مجلس میں کچھ
گذارشات پیش کرنے کا حکم فرمایا ہے میں اس قابل تو نہیں کہ جلیل القدر اہلِ علم حضرات کی محفل میں زبان
کھولنے کی جرأت کروں لیکن الامر فوق الادب کے تحت ڈاکٹر صاحب کی طرف سے پیش کردہ خلاصہ
تصورِ فرائض دینی کے تین فرائض پر چند معروضاتِ ادب پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ میری ان
گذارشات میں جو باتیں حق ہوں، وہ منجانب اللہ سمجھی جائیں اور جو قابلِ اصلاح ہوں میری کم علمی کی
وجہ خیال فرما کر اُس کی اصلاح فرماتے ہوئے میری رہنمائی فرمائیں۔

ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے خلاصہ تصورِ فرائض دینی کا جو خاکہ پیش فرمایا ہے وہ اپنے موضوع
پر قرآن و حدیث کا ست۔ جوہر (ESSENCE) ہے گویا سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ اس

میں سب سے پہلا فریضۂ دینی جو بتلایا گیا ہے وہ یہ کہ ایک مسلمان صحیح معنی میں سب سے اللہ کا سچا اور پکا بندہ بننے کی کوشش کرے۔ انسان کا اپنے خالق و مالک سے جو حقیقی ربط و تعلق ہے وہ بندگی اور غلامی ہی کا ہے۔ اسی تعلق کو بتلانے سمجھانے اور مضبوط و پختہ کروانے کے لیے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام دنیا میں تشریف لاتے رہے اور اللہ واحد کی توحید کے اثبات کے ساتھ ساتھ اپنی اور تمام انسانوں کی حقیقی پوزیشن کا بحیثیت بندہ اقرار کرواتے رہے اور سب سے آخر میں آقائے نامدار فخر موجودات تاجدار مدینہ ابی وامی فداہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دعوتی کلمے کو پوری دنیا کے قیامت تک آنے والے انسانوں کے سامنے پیش فرمایا اس میں أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہ کے بعد وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کا اقرار کرنا بھی ایمان کی تکمیل کے لیے لازمی اور ضروری قرار دیا گیا۔ معراج میں حضورؐ کے عرش پر تشریف بیجانے کے نتیجے میں آپؐ کو جو خصوصی قرب و ترقی کے منازل طے کرائے گئے اس کے پیش نظر اس اندیشے کے ساتھ کہ کہیں کسی کو یہ شبہ نہ ہو جائے کہ حضورؐ عبدیت کے مقام سے تجاوز فرما کر الوہیت کی صفات سے متصف ہو گئے ہیں تو اس شبہ کو رفع کرکے حضورؐ کی عبدیت کو واضح (CRYSTAL CLEAR) کرنے کے لیے اس عظیم الشان واقعہ کا تذکرہ جب قرآن مجید میں کیا گیا تو حضورؐ کو لفظ عبد سے یاد کیا گیا چنانچہ ارشاد فرمایا سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی - پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی۔ اسی طرح جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کو جب اللہ تبارک وتعالیٰ محبت سے یاد فرماتے ہیں تو عبد ہی سے یاد فرماتے ہیں چنانچہ ایک جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا نِعْمَ الْعَبْدُ۔ یعنی وہ ہمارے بہترین بندے تھے۔ لہٰذا تمام انبیاء علیہم السلام خود بھی عبد کامل تھے اور اپنی امتوں کو بھی عبدیت کی دعوت پیش فرماتے رہے۔ صوفیائے کرام کی تربیت اور ان کے مجاہدات جن کو اصطلاح تصوف میں تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب تجلیۂ روح اور تخلیۂ سر سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کا مقصود بھی عبدیت میں کمال پیدا کروانا ہے اور عبدیت میں کمال پیدا کیے بغیر نہ توحید مکمل ہو سکتی ہے اور نہ وصول الی اللہ ممکن ہے۔ لیکن افسوس کہ اس فتنہ و فساد کے دور میں عبد النفس، عبد الدینار اور عبد الدنیا کی کمی نہیں لیکن صحیح معنی میں عبد اللہ نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں اسی لیے شاید کسی شاعر کو یہ شکایت کرنے کا موقع ملا ؎

اللہ ملے جس سے وہ ڈھونڈا نہ ملا ۔۔ یہ نام کسی قلب پہ کندہ نہ ملا
خانقاہوں میں مساجد میں حرم میں ڈھونڈا ۔۔ لیکن کوئی اللہ کا بندہ نہ ملا

بندگی کی وضاحت اس کی تفصیل اور تکمیل کے لیے چار اصطلاحات کا ذکر ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے اپنے موقر خاکے میں فرمایا ہے (۱) اسلام (۲) اطاعت خدا اور رسُول (۳) تقویٰ (۴) عبادت۔ اسلام کے معنی ہیں فرمانبرداری اور وفاشعاری یعنی اپنے آپ کو اللہ کے حکم کے آگے SURRENDER کر دینا اسلام ہے۔ مسلم کا لفظ بھی اسلام سے ہی بنا ہے یعنی فرمانبردار۔ پھر یہی فرمانبرداری اور وفاشعاری جزوی اور جزوقتی نہیں بلکہ ہمہ تن، ہمہ وقت۔ اور ہمہ وجوہ مطلوب ہے جیسا کہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا: یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً۔ اے ایمان والو داخل ہو جاؤ اسلام میں یعنی فرمانبرداری میں پُورے کے پُورے۔ ایک مسلمان اپنے خالق اور مالک حقیقی کا جزوقتی غلام نہیں بلکہ ہمہ وقتی غلام ہے

——— تکمیل بندگی کے لیے دوسری اصطلاح جو بتلائی گئی ہے وہ ہے اطاعت خدا و رسُول ——— اسلام میں اطاعت خدا اور رسول مقصود و مطلوب ہے چنانچہ حکم دیا گیا کہ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اللہ کے رسُول کی۔ پھر یہ بھی کہ اطاعتِ خدا اور رسُول زندگی کے تمام شعبوں میں ہونی چاہیے خواہ عبادات ہوں کہ اخلاق، معاملات ہوں کہ معاشرت، معیشت ہو کہ سیاست غرض زندگی کے ہر شعبہ میں اطاعت خدا و رسُولؐ اسلامی تعلیمات سکھلاتی ہیں۔

Islam is not a departmental affair, but it is the Programme of whole life.

اطاعت کے سلسلے میں ایک بات خاص طور پر ذہن نشین کر لینے کی یہ ہے کہ اطاعت ہم اپنی مرضی اپنے پسندیدہ طریقے یا رواج کے مطابق نہیں کر سکتے بلکہ اطاعت کرنے میں اتباع رسُول کی شرط ہے اتباع کے معنی حضورؐ کے بتلائے ہوئے طریقے کے عین مطابق ذرہ برابر افراط و تفریط کیے بغیر عمل کرے۔ یہاں تک کہ محبت الٰہی کے حصُول کا ذریعہ بھی حضورؐ کی اتباع و پیروی کو قرار دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ ——— اے نبیؐ آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو لیکن نفس پرست لوگوں نے محبّتِ الٰہی کو کچھ اور چیز سمجھ لیا ہے اور اتباع کو کچھ اور۔ بقول کسی شاعر کے ؎

محبت اتباعِ سُنت خیر الوریٰ ہی ہے ٭ ہوس والوں کو یارب یہ حقیقت کون سمجھائے

تیسری اصطلاح جو بتلائی گئی ہے وہ ہے تقویٰ۔ کا حاصل یہ ہے کہ دل میں اللہ کا خوف و خشیت اور اُس کی کمالِ فرمانبرداری کے نتیجے میں کھلی معصیت حرام اور ناجائز چیزوں سے مکمل اجتناب کے ساتھ ساتھ مکروہات و مشتبہات سے بچنے کی کوشش کرنا صفتِ تقویٰ سے متصف ہونے کے

نتیجے میں آخرت میں نجات وکامیابی کے ساتھ ساتھ دنیا میں اللہ کی تائید ونصرت، مشکلات وپریشانیوں میں آسانی اور غیب سے روزی کی فراہمی کی عملی بشارتیں قرآن کریم میں موجود ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمَن یَتَّقِ اللّٰہَ یَجعَل لَّہٗ مَخرَجًا وَّیَرزُقہُ مِن حَیثُ لَا یَحتَسِبُ ٥ جو کوئی اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے ہر تنگی میں سے راستہ نکال دیتے ہیں اور اُسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتے ہیں جہاں سے روزی ملنے کا اُسے گمان تک نہ ہو۔ پھر سب سے اہم بات یہ کہ قرآن سے ہدایت ملنے کی شرط اولین بھی تقویٰ ہی قرار دیدی گئی ہے چنانچہ ارشاد عزاسمہ ہے ھُدًی لِّلمُتَّقِینَ ٥ یعنی قرآن کے ذریعہ انہیں کو ہدایت نصیب ہوگی جو متقی ہیں۔ پھر یہ بھی کہ نہ صرف کسی نہ کسی درجے میں صفت تقویٰ کو پیدا کر لینا کافی سمجھا گیا بلکہ تقویٰ کے اُس معیار پر پورا اترنے کا حکم دیا گیا جو اللہ کو مطلوب ہے چنانچہ ارشاد فرمایا گیا یَا اَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ۔ اے ایمان والو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسے اُسے اختیار کرنے کا حق ہے۔ عام طور پر مسلمانوں نے تقویٰ کو خدا ترس بزرگوں کے لیے ایک ذوقی اور اضافی چیز سمجھ لیا ہے جس کو حاصل کرنا نجات کے لیے ضروری نہیں بلکہ یہ صرف ترقی مدارج کا ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے۔ مندرجہ بالا آیت سے یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ ہر مسلمان کے لیے نہ صرف تقویٰ مطلوب ہے بلکہ پورے معیار کے ساتھ مطلوب ہے۔

چوتھی اصطلاح ہے عبادت۔ عبادت کیا ہے؟ عبد و معبود میں تعلق و ربط پیدا کرانے کا ذریعہ یعنی MEDIUM عبادت کہلاتی ہے۔ قرآن کریم میں عبادت کو جن و انس کا مقصد زندگی بتلایا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا وَمَا خَلَقتُ الجِنَّ وَالاِنسَ اِلَّا لِیَعبُدُونِ ٥ اور ہم نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر ہماری عبادت کے لیے ؎

زندگی آمد برائے بندگی ؏ زندگی بے بندگی شرمندگی اور پھر یہ بھی کہ ؎
تو برائے بندگی ہے یاد رکھ ؏ بہر سرافگندگی ہے یاد رکھ
چند روزہ زندگی ہے یاد رکھ ؏ ورنہ پھر شرمندگی ہے یاد رکھ

مشہور عبادات جیسا کہ آپ جانتے ہیں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، صدقات خیرات، ذکر، تسبیح تلاوت و دعا وغیرہ ہیں لیکن شریعت میں عبادت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ زندگی کا ہر چھوٹا بڑا عمل جس کو حکم خدا اور رسول کے تحت حضورؐ کے بتلائے ہوئے طریقے کے عین مطابق خلوص نیت کے ساتھ کیا جائے وہ عبادت میں داخل ہے۔ مختصر یہ کہ امر جائز کی تکمیل خلوص نیت کے ساتھ عبادت کہلاتی ہے۔ اگر شادی بیاہ، کھانا کھانا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا یہاں تک کہ بول و براز کرنے میں اخلاص کے ساتھ

حکم خدا اور رسول کی رعایت کیجائے تو وہ عبادت میں داخل ہوکر مقصد زندگی کی تکمیل کا ذریعہ بنیں گے
لیکن اکثر لوگ اِس حقیقت سے غافل ہیں ۔ بقول جگر مراد آبادی ؎

محو تسبیح تو ہیں صاحبِ ادراک نہیں
زندگی خود ہی عبادت ہے نہیں ہوش نہیں

یہاں عبادت ، عادت اور بدعت کے سلسلے میں ایک نکتہ سمجھ لینا چاہیئے وہ یہ کہ عبادت پر
امر ہوتا ہے اور اُس کا طریقہ متعین طور پر بتلایا جاتا ہے اور عادت پر نکیر ہوتی ہے اور طریقہ نہیں
بتلایا جاتا ۔ جس عبادت پر امر نہ ہو وہ بدعت ہے اور جس عادت پر نکیر نہ ہو وہ جائز ہے ۔ مثال کے طور
پر نماز ، روزہ ، زکوٰۃ حج وغیرہ عبادات ہیں ان کے کرنے کا امر ہے یعنی شریعت میں ان کا حکم موجود
ہے اور ساتھ ساتھ ان پر عمل کرنے کا طریقہ بھی بتلا دیا گیا ہے ۔ اب رہا عادات جیسے جھوٹ بولنا ،
دھوکہ دینا شراب پینا وغیرہ ان پر صرف نکیر ہے ۔ ان عادات کو اختیار کرکے نہیں بتلایا گیا کہ اِس اس طرح
کرنا منع ہے یعنی جھوٹ بولکر ، دھوکہ دے کر یا شراب پی کر نہیں بتلایا گیا کہ اِس طرح یہ عادات اختیار
مت کرو ۔ ہاں جن عادات پر نکیر نہ ہو اُن پر عبادات کی طرح امر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ عدم نکیر
ان کے جواز کے لیے کافی ہے ۔ جیسے کسی کو صبح میں چہل قدمی کرنے کی عادت ہے کسی کو سیر کی کا شوق ہے
کوئی شوز پہننا پسند کرتا ہے کسی کو چپل پہننے کی عادت ہے وغیرہ اب اِن تمام عادات پر شریعت میں
کسی قسم کی نکیر نہیں ہے اگرچہ کہ اِن کو اختیار کرنے کا امر بھی نہیں لیکن محض عدم نکیر کی وجہ یہ جائز ہیں
بلکہ اگر یہ کسی عبادت میں معین و مددگار ہوں تو یہ بھی باعثِ حصولِ ثواب ہوجاتے ہیں اس نکتے کو اگر اچھی
طرح سمجھ لیا جائے تو پھر مبتدعین کا اپنی خود ساختہ بدعات کے جواز کو ثابت کرنے کے سلسلے میں یہ استدلال
پیش کرنا کہ ہمارے ان اعمال پر نکیر کہاں ہے بتلاؤ ، خود بخود باطل ہوجاتا ہے ۔

اسلام ۔ اطاعت خدا و رسول ، تقویٰ اور عبادت کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے آگے
ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ " اگر جان بوجھ کر کوئی ایک معصیت بھی مستقل طور پر اختیار کرلی گئی اور اس
پر توبہ کی بروقت توفیق نہ ملی تو اس سے نہ صرف تمام نیکیوں کے چلے جانے بلکہ جہنم میں داخلے حتیٰ کہ
خلود فی النار تک کا اندیشہ ہے (البقرہ ۸۱) اِلّا یہ کہ حقیقی اور واقعی اضطرار ہو ۔ اس میں قرآن شریف کی
جس آیت کا ڈاکٹر صاحب نے حوالہ دیا ہے اس میں یہودیوں کے لیے خلود فی النار یعنی ہمیشہ ہمیشہ
جہنم میں رہنا بتلایا گیا ہے اس لیے کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضورؐ کی رسالت کے منکر ہونے کی
وجہ کافر ہیں اور کفر کی وجہ ان کا کوئی بھی عمل صالح مقبول نہیں اور ان میں سرتاپا بدی ہی بدی ہوگی جس
کی جزا ابدی جہنم اور خلود فی النار ہے بخلاف اہل ایمان کے کہ اول تو اُن کا ایمان خود بہت بڑا عمل صالح اور

باعث نجات ہے اور پھر جو بھی چھوٹے بڑے نیک اعمال ہوں گے وہ مزید برآں۔ لہٰذا اس آیت کا مصداق صرف کفار ہی ہیں اہل ایمان پر یہ منطبق نہیں ہو سکتی۔ فرقہ معتزلہ کا البتہ مسلک یہ ہے کہ گناہ کبیرہ سے ایمان چلا جاتا ہے لیکن اہلِ سُنّت والجماعت کا مضبوط مسلک کتاب وسنت کی بنیاد پر یہ ہے کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں اور جب کافر نہیں تو اس کے لیے خلود فی النار نہیں۔ اس سلسلہ میں دلیل کے طور پر ایک مشہور حدیث پیش کی جاتی ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا جس نے لَآ الٰہ الا اللہ کا اقرار کیا وہ جنت میں داخل ہوا راوی نے سوال کیا کہ اگرچیکہ وہ چوری کرے اور زنا کرے اس پر حضورؐ نے فرمایا ہاں اگرچیکہ وہ چوری کرے اور زنا کرے۔ لہٰذا ڈاکٹر صاحب کا یہ نقطۂ نظر کہ کسی مومن کا عدم توبہ کی صورت میں اُس کے تمام نیکیوں کا ضائع چلا جانا اور ابدی طور پر جہنم میں رہنا محل نظر ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے مرتب کردہ خاکے میں دوسرا اساسی دینی فریضہ جو بتلایا گیا ہے وہ یہ کہ دوسروں کو حتی المقدور اسلام کی تبلیغ کرے اور دین کی دعوت دے، اس کے لیے انذار، تبشیر، تذکیر، وعظ، نصیحت، وصیت، تعلیم، تبیین، تلقین، تبلیغ دعوت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور شہادت علی الناس جیسی قرآنی اصطلاحات کا ذکر کیا گیا ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں دعوت وتبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کا نہ صرف اہتمام وتاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے بلکہ اسے اس امت کا طغرائے امتیاز اور فرض منصبی بتلایا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ۵ تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے نکالی گئی ہو، تم نیکیوں کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اس آیۃ مبارکہ میں امت کو خیر امت یعنی بہترین امت کہا گیا ہے یعنی حضورؐ کی اُمّت تمام دیگر انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے مقابلے میں افضل ترین امت ہے جو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے برپا کی گئی ہے یعنی اس کا دیگر اُمتوں کے مقابلے میں افضل واشرف ہونا دوسروں کی نفع رسانی کی وجہ سے ہے اور وہ مخصوص نفع رسانی دوسروں کو نیکیوں کا حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے کی ہے، پھر یہ کہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ میں عموم ہے پوری امت اور امت کا ایک ایک فرد مراد ہے کیونکہ اگر صرف علماء کے ذمہ ہی دعوت وتبلیغ کا فریضہ ہوتا تو کُنْتُمْ خَیْرَ عُلَمَاءٍ کہکر مخاطب کیا جاتا اور اگر صرف واعظین ومبلغین کے ذمے ہی تبلیغ کا فریضہ رہتا تو کُنْتُمْ خَیْرَ واعظین یا کنتم خَیْرَ مُبَلِّغِیْنَ کہا جاتا لیکن ایسا نہیں کہا گیا بلکہ کنتم خیر اُمَّۃٍ کہکر پوری امت اور امت کے ایک ایک فرد کا یہ خصوصی وصف بیان کیا گیا ہے۔ آگے اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کہکر میدان دعوت وتبلیغ

کوتا قیامِ قیامت پوری دنیائے انسانیت کے لیے وسیع کر دیا گیا ہے کیوں کہ اگر ہماری ذمہ داری صرف اپنی اصلاح کی حد تک محدود ہوتی تو اُخرِجت لِلنَّفس کہا جاتا اور اگر صرف گھر والوں کی اصلاح و تبلیغ ہی پر بس کر دیا جاتا تو اُخرِجت لِلبیت کہا جاتا یا اگر دعوت و تبلیغ کی وسعت اپنی بستی کی حد تک مقرر ہوتی تو اُخرِجت للقریہ کہا جاتا لیکن اُخرِجت لِلنَّاسِ کہکر پوری دنیائے انسانیت کے لیے دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری ہمارے اُوپر ڈال دی گئی اور پوری انسانیت کے لیے فکرمند ہونے، بے قرار ہونے اور تڑپنے کا حکم دیا گیا. گویا ہم امیر مینائیؔ کے اس شعر کے مصداق ہیں ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ ؎ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

جس طرح حضورِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ سے مخاطب کیا گیا وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام عالموں کے لیے رحمت بنا کر،

اور پھر یہ بھی فرمایا گیا وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۝ اے نبی ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام انسانوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بالکل اسی طرح اس آیت میں آپکی اُمت کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ یعنی اے اُمتِ محمدیہ تم بھی حضورؐ کی نیابت میں دنیائے انسانیت کے لیے داعی و مبلغ بنا کر نکالے گئے ہو. جسطرح حضورؐ امام الانبیاء ہیں اسی طرح انبیائی مشن سے مفتخر ہونے کے نتیجے میں آپ کی اُمت بھی امام الاقوام ہے جیسا کہ علامہ اقبالؔ نے بھی فرمایا ؎

جس طرح احمد مختار ہیں نبیوں میں امام ؎ ان کی اُمت بھی ہے دُنیا میں امام الاقوام

بلکہ ایک اور جگہ علامہ اقبالؔ نے صرف اپنے ذکر و تسبیح میں مست رہ کر اعلائے کلمۃ الحق سے روگردانی کرنے والوں کے مسلک کو مذہبِ مُلّا و نباتات و جمادات کہکر طنز کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں ؎

اندازِ بیاں گرچہ میرا شوخ نہیں ہے ؎ شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات
یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل ؎ یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست ؎ یہ مذہبِ مُلّا و نباتات و جمادات

اب آگے اس آیت پر غور کیجئے کہ اس میں جو اُخرِجت لِلنَّاس کہا گیا ہے یعنی تم لوگوں کی نفع رسانی کے لیے نکالے گئے ہو اور وہ مخصوص نفع رسانی آگے متعین طور پر نہ بتلائی جاتی تو ہر شخص اپنے طور پر اپنی سہولت اور حالت کے اعتبار سے اُمت کے لیے نفع رسانی کا طریقہ مقرر کر کے اس پر قناعت کر لیتا

اور یہ سمجھا کہ میں نے اس آیت کا حق ادا کر دیا مثلاً کسی بھوکے کو کھلا کر ننگے کو پہنا کر، کسی مصیبت زدہ سے اُس کی مصیبت دور کر کے یا کوئی رفاہِ عام کا کام کر کے مطمئن ہو جاتا تو اِس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے اس آیت میں ان موقتی اور فانی منافع کے علاوہ لافانی نفع رسانی کے لیے پابند کیا گیا یعنی فرمایا گیا تَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ یعنی تم نیکیوں کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو جسکے نتیجے میں ابدی نفع حاصل ہونیکی اُمید ہے۔ علاوہ ازیں اِس میں تَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ اور تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ یعنی تم نیکیوں کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔ یعنی خیرامت ہونیکی وجہ سے یہ تمہاری فطرت ثانیہ، عادت جاریہ اور خصوصی وصف وخوبی ہے۔ اس آیت میں ایک نکتہ قابلِ غور یہ بھی ہے کہ اس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ایمان سے بھی مقدم کیا گیا ہے۔ علمائے کرام نے اس کے تین مطالب بیان فرمائے ہیں ایک یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت یہاں بیان کرنی تھی اِس لیے اُسے ایمان سے مقدم کیا گیا اور دوسرا مطلب یہ کہ ایمان والوں کا کام ہی یہ ہے کہ وہ یہ کام انجام دیتے رہیں اور تیسرا مطلب یہ کہ چونکہ بغیر ایمان کے کوئی عمل مقبول نہیں اس لیے آخر میں تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ کہکر ایمان کا ذکر بھی کر دیا گیا۔ اس آیت کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کا فیصلہ کن قول بھی سن لیجئے۔ چنانچہ وہ ارشاد فرماتے ہیں مَنْ سَرَّهُ اَنْ یَّكُوْنَ مِنْ تِلْكَ الْاُمَّةِ فَلْیُؤَدِّ شَرْطَ اللّٰهِ فِیْهَا جس کسی کو یہ بات خوش کرتی ہو یعنی جو کوئی اپنے لیے اِس بات میں فخر محسوس کرتا ہو کہ وہ حضورؐ کی امت میں ہے تو اُسے اِس شرط کو پورا کرتے رہنا چاہیئے جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضۂ منصبی کو انجام دیتا رہے۔ ان کے علاوہ دو تین آیات مزید اس فریضۂ تبلیغ کی اہمیت کے پیشِ نظر آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ۔ اے نبیؐ آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف علیٰ وجہ البصیرت لوگوں کو دعوت دیتا ہوں۔ میں اور میری اتباع کرنیوالے یعنی یہ کام صرف میں اکیلا ہی نہیں کرتا ہوں بلکہ میری اتباع میں میری امت بھی اس فریضہ کو انجام دیتی ہے، یہی وجہ تھی کہ حضرات صحابہؓ جوں ہی حضورؐ کی دعوت کو قبول کر کے اسلام کی آغوش میں آجاتے تو ان کا سب سے پہلا اور بنیادی کام یہی ہوتا کہ حضورؐ کی اتباع اور آپ کی نیابت میں دوسروں میں دعوت وتبلیغ کا کام شروع فرما دیتے گویا وہ اِس آیت کی عملی تصویر تھے۔ دوسری جگہ ارشادِ ربانی ہے وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ اس سے بہتر بات کس کی ہو سکتی ہے۔ کہ جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک اعمال کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا

مِمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ کے معنی سب سے عمدہ، سب سے قیمتی اور سب سے اعلیٰ ترین بات دعوت الی اللہ ہے۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ خود عامل ہونے کو دعوت الی اللہ پر مؤخر کیا گیا ہے۔ یعنی دعوت کے کام کو اس انتظار میں نہیں روکنا چاہیئے کہ وہ خود عامل نہیں ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ پہلے خود عمل میں کمال پیدا کریں اور پختہ ہو جائیں اور پھر دعوت دیں تو اس کا مطلب یہ کہ دعوت و تبلیغ کا کام مفقود ہو جائے گا اس لیے کہ کوئی شخص بھی اپنے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرا عمل کمال درجے کو پہنچ گیا ہے۔ بلکہ دعوت اور عمل دونوں ساتھ ساتھ چلیں گے بلکہ ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ داعی کو دوسروں سے پہلے عمل کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ بے عمل دعوت کا کام نہ کرے البتہ یہ صحیح ہے کہ بے عمل کی دعوت میں اثر کم ہوتا ہے لیکن جب وہ دعوت کا کام کرتا ہے تو عمل کی توفیق ہو کر خود بخود اس کی دعوت میں قوت اور اثر پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا کسی بے عمل کو اس انتظار میں نہیں رہنا چاہیئے کہ پہلے میں خود پابند ہو جاؤں پھر دعوت کا کام شروع کروں بلکہ عمل کی نیت اور ارادے کے ساتھ ساتھ دعوت کا کام بھی شروع کر دے اس کی برکت سے خود بخود عمل کی توفیق مل جائے گی اس آیت کے آخری ٹکڑے میں وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ جو کہا گیا کہ یہ کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں تو مفسرین نے اس کے دو مطلب بیان فرمائے، ایک یہ کہ دعوت و تبلیغ کا کام کر کے یہ نہ سمجھے کہ میں بہت بڑا آدمی ہو گیا بلکہ اپنے آپ کو بطور انکساری کے عام مسلمانوں میں سے سمجھے اور دوسرا مطلب یہ کہ یہ کہے کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے میری ذمہ داری ہے کہ میں دوسروں کو بھی اللہ کی طرف بلاؤں۔ تیسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں جو ایک دوسرے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں۔ اس آیت میں مومن مردوں کے ساتھ مومن عورتوں کی بھی یہ صفت بیان کی گئی کہ وہ نیکیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عورتوں کی ذمہ داری بھی اپنی بساط اور امکان کی حد تک حدود کے اندر دعوت و تبلیغ کا کام کرنے کی ہے وہ اپنے آپ کو مستثنیٰ نہیں کر سکتیں۔

پھر یہ بات بھی اچھی طرح یاد رکھنی چاہیئے کہ انفرادی طریقے سے اپنے طور پر کبھی کبھار حسب فرصت چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے تبلیغ کر دینا کافی نہیں بلکہ انفرادی تبلیغ کے ساتھ ساتھ جماعتی شان کے ساتھ نہایت اہتمام اور پورے انتظام کے ساتھ تبلیغ کرتے رہنے کا حکم ہے۔

چنانچہ دیکھئے قرآن کریم میں اس کی کسقدر تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ٥ اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی ہی چاہیئے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور نیکیوں کا حکم کرے اور برائیوں سے روکے اور یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مِنْكُمْ بتبعیضیہ نہیں بلکہ حسن کلام کے لیے بطور بیان لایا گیا ہے اور پوری اُمت مخاطب ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آخر میں وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ فرمایا گیا ہے یعنی اِس عمل کے کرنے والے ہی کامیاب ہوں گے اور نہ کرنے والوں کے لیے کامیابی و فلاح کی کوئی گارنٹی نہیں۔ اگر آیت میں منکم کو تبعیضیہ مان لیا جائے یعنی صرف ایک جماعت کا دعوت و تبلیغ کا کام کرنا کافی سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بعض کے لیے فلاح کی دعوت دے رہے ہیں اور باقی کو کامیابی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں جو حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ فلاح اور کامیابی کا حاصل کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری اور لازمی ہے۔

احادیث میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کی بہت ہی تاکید آئی ہے اور نہ کرنے پر بڑی وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ بطور نمونہ چند احادیث بھی پیش خدمت ہیں۔ احیاء العلوم کے باب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں امام غزالیؒ نے یہ حدیث لکھی ہے کہ تمام اعمال کے مقابلے میں جہاد بالسیف ایسا ہے جیسے ایک ذرہ کے مقابلے میں پہاڑ یعنی تمام دیگر اعمال تلوار سے جہاد کرنے کے مقابلے میں ایک ذرہ کی حیثیت رکھتے ہیں پھر حضورؐ نے آگے ارشاد فرمایا کہ تمام اعمال بشمول جہاد بالسیف کے مقابلے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایسا ہے جیسے ذرہ کے مقابلے میں پہاڑ۔ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ گاروں کے ساتھ تم سب پر بھی اپنا عذاب بھیجدے اُس وقت تم خدا تعالیٰ سے دُعا مانگو گے تو قبول نہ ہوگی، اس مبارک عمل کے چھوڑنے پر کسقدر شدید وعید ہے کہ ایک طرف عذاب الہٰی میں گرفتار ہو جاؤ گے اور دوسری طرف قبولیت دعا سے بھی محرومی ہو جائے گی۔ صحیح مسلم اور دیگر کُتب احادیث میں یہ مشہور حدیث موجود ہے کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اگر کوئی گناہ کو ہوتا ہوا دیکھے تو اُس کو چاہیئے کہ اپنے ہاتھ اور قوت سے اُسے روک دے اور اگر یہ نہ کر سکے تو زبان سے روکے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو کم از کم دل میں اُسے

بُرا سمجھ کر اُسے مٹانے کے لیے فکر مند ہو جائے اور فرمایا کہ یہ ادنیٰ درجے کا ایمان ہے اور ایک روایت میں لیسَ یحْتُہٗ مِنَ الْاِیمان کے الفاظ بھی آئے ہیں یعنی کسی منکر کو ہوتا ہوا دیکھ کر دل میں کھٹک بھی محسوس نہ کرے تو ایسے شخص کے اندر رائی کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ اس حدیث کے سلسلے میں مجدد مبلغ حضرت مولانا محمد الیاس ؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح منکرات کو رد کرنے کے سلسلے میں پہلے ہاتھ پھر زبان اور آخر میں دل کو استعمال کرنے کا حکم دیا ہے اسی طرح معروفات کو عام کرنے اور پھیلانے کے سلسلے میں بھی پہلے ہاتھ یعنی جسمانی قوت کو استعمال کریں پھر زبان یعنی وعظ و نصیحت کریں اور آخر میں دل کی توجہ یعنی دین کو پھیلانے کے لیے فکر اور تڑپ اور دعا ہونی چاہیئے۔ صحیح بخاری شریف میں یہ روایت موجود ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کی موت اس حال میں آئے یعنی مرتے دم تک وہ اس عمل میں مصروف رہے کہ وہ علم دین کو طلب کر رہا ہوتا کہ اس کے ذریعہ اسلام کو زندہ کرے تو اس کے اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان میں جنت میں صرف ایک درجے کا فرق ہوگا یہ چند آیات و احادیث بطور نمونہ پیش کیے گئے ہیں ورنہ ساٹھ سے زائد آیات اور سینکڑوں احادیث میں امر بالمعروف نہی عن المنکر اور دین کی دعوت و تبلیغ کی ترغیب مختلف انداز اور پیرائے میں بیان کی گئی ہے۔

ان تمام آیات و روایات سے یہی ثابت ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امت کے ہر ہر فرد پر لازم ہے البتہ اس کے لیے ضروری ہے کہ جس چیز کی تبلیغ کر رہا ہے اس کا صحیح علم حاصل کرے اور اور حدود معلوم کرے پھر اپنے امکان بھر استطاعت و قدرت کے مطابق دعوت و تبلیغ کا کام کرے پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ فرائض کی تبلیغ فرض، واجبات کی تبلیغ واجب اور مستحب کی تبلیغ مستحب کے درجے میں ہے۔ اسی طرح حرام اور ناجائز کاموں پر نکیر کرنے میں شدت ہوگی اور مکروہات میں نرمی علاوہ ازیں موقع محل، حالات و افراد کے لحاظ سے حکمت و موعظت اور مصلحت بھی پیش نظر رہے، اس سلسلہ میں آگے ڈاکٹر صاحب نے جو بات کہی ہے وہ کسقدر قابلِ توجہ ہے کہ "سب سے بڑھ کر بر سید المرسلین محمد رسول اللہ صلعم پر ختم نبوت کا منطقی نتیجہ ہے کہ اب تا قیام قیامت تمام انسانوں پر اللہ اور اُس کے رسُول کی جانب سے اتمام حجت یعنی شہادت علی الناس کی ذمہ داری بحیثیت مجموعی امت محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے کندھوں پر ہے" ایک مرتبہ رئیس المبلغین حضرت مولانا یوسف صاحب ؒ نے کسقدر صحیح ارشاد فرمایا کہ ختم نبوت شعبہ ہے کارِ نبوت کی منتقلی کا انبیاء علیہم السلام سے اُمت کی طرف۔

اب آیئے تیسرے فریضے کی طرف وہ یہ کہ ہر مسلمان اللہ کے کلمے کی سر بلندی اور دینِ حق

کے بالفعل قیام اور غلبے کے لیے تن، من، دھن سے کوشاں ہو یقیناً ہمیں اپنی جان و مال اور بہترین صلاحیتوں کو راہ حق میں دین کے احیاء اور اس کی سربلندی کے لیے لگا دینا چاہیئے۔ کیونکہ ہم اپنی جان و مال کا سودا اللہ تبارک و تعالیٰ سے جنت کے عوض کر چکے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ بیشک اللہ تعالیٰ نے خرید لیا ہے مومنین سے اُن کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض یہ اللہ تعالیٰ کا کسقدر کرم ہے کہ جان و مال کے صحیح استعمال پر جنت عطا کرنے کا وعدہ فرما رہے ہیں ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ جان و مال ان ہی کا عطیہ ہے اگر ہم اسے اللہ کے دین کی سربلندی اور شادابی کے لیے لگا بھی دیں تو اس شعر کے مصداق ہوں گے ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی ؔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس تیسرے فریضے کے سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے قرآن کی چار اساسی اصطلاحات پیش فرمائی ہیں (۱) تکبیر رب (۲) اقامتِ دین (۳) اظہارِ دینِ الحق علیٰ الدین کلّہ اور (۴) لِیکُونَ الدین کلّہ لِلّٰہ اور پانچویں حدیث نبوی کی اصطلاح ہے لِتکُونَ کَلِمۃُ اللّٰہِ ھِیَ العُلیا۔ پھر ان کی تین عام فہم تعبیرات (۱) قیام حکومت الٰہیہ، نفاذِ نظام اسلامی اور اسلامی انقلاب۔

اس میں پہلی اصطلاح تکبیر رب بیان کی گئی ہے تکبیرِ رب سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک نماز ہے کیونکہ آگے کی آیت وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ ہیں کپڑوں کو صاف رکھنے کا جو حکم ہے اُس سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ نماز کے لیے طہارت لباس ضروری ہے لیکن بعض مفسرین نے اس سے اعلائے کلمۃ الحق بھی مراد لیا اور آگے کی آیت میں جو لباس کی طہارت کا حکم ہے اُس سے نماز کے وقت ہی کی طہارت مُراد نہیں بلکہ ہمیشہ لباس کو پاک و صاف رکھنے کا حکم ہے، یہاں دوسری تیسری اور چوتھی اصطلاح جو بتلائی گئی ہے اُس سے مُراد یہ ہے کہ اللہ کی اس سرزمین پر تمام ادیان باطلہ و کلماتِ باطلہ کے مقابلے میں دین حق کو غالب کرنے اور قوانینِ الٰہیہ کو نافذ کرنے کے سلسلے میں سر دھڑ کی بازی لگا دی جائے۔ چوتھی اصطلاح جو حدیث نبوی کی بیان کی گئی ہے یعنی لِتکُونَ کَلِمۃُ اللّٰہِ ھِیَ العُلیا تو اُس سے مراد محدثین کرام نے استدلالی قوت کے ساتھ اللہ کے کلمہ کو بلند و بالاتر کرنا لکھا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کَلِمۃُ اللّٰہِ تَعْلُوْ وَلَا تُعْلٰی۔

متذکرہ بالا تین فرائض دینی یعنی بندگیٔ رب، دعوت و تبلیغ اور اقامتِ دین کی باہمی نسبت اور ان کے ایمان و ارکانِ اسلام کے ساتھ ربط و تعلق کو جو سہ منزلہ عمارت کی مثال سے واضح

کیا گیا ہے وہ بہت ہی عمدہ نہایت جامع اور بے حد دلنشین ہے۔

یہاں ایک مسلمان کے جو اہم ترین تین فرائض بیان کیے گئے ہیں ان کو میرے نزدیک اور
بھی اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے تو دو ہی ہو جاتے ہیں۔ ان میں ایک ہے اصلاحِ نفس اور دوسرا
اشاعتِ حق، ان دونوں کا مقصود رضائے حق ہونا چاہیئے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ ایک مسلمان کے دو اہم ترین
مقاصد ہیں اور ایک مقصود ہے۔ دو مقاصد میں ایک اصلاحِ نفس اور دوسرا اشاعتِ حق ہے اور
ان دونوں کا مقصود رضائے حق ہے کیونکہ مقاصد ایک سے زائد ہو سکتے ہیں لیکن مقصود صرف
ایک ہی ہوتا ہے فی زمانہ رضائے حق کو مقصود بنا کر اصلاحِ نفس اور اشاعتِ حق کا کام جسکو اللہ تبارک
وتعالیٰ نے بے انتہاء محبوبیت و مقبولیت عطا فرمائی ہے جو نصف صدی سے زائد عرصے سے
تمام دنیا کے چپے چپے میں ایسے بہترین برگ وبار پیدا کر رہا ہے اور جس کے ذریعہ امت کے
ہر ہر طبقے کی اصلاح ہو رہی ہے وہ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی جاری کردہ تبلیغی نقل وحرکت
ہے جو کتاب وسنّت سے ماخوذ نہایت جامع اور مؤثر اصولوں کے تحت ہو رہی ہے۔ بقول
حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی صاحب مرحوم اللہ تبارک وتعالیٰ نے دعوت وتبلیغ کے
انبیائی مشن کے اعلیٰ ترین اور نازک ترین کام کو ایک فن کی حیثیت سے حضرت مولانا الیاس رح کے قلب
پر القاء فرما دیا۔

اس کے علاوہ اور بھی چھوٹی بڑی کوششیں مختلف افراد، اداروں اور جماعتوں کی طرف سے
ہو رہی ہیں اُن سے بھی صرف نظر نہیں کیا جا سکتا انبیائی مشن کی اِن اعلیٰ اور مبارک کوششوں کی جو سلسلۃ
الذہب یعنی سنہری زنجیر ہے، اُس کی ایک اہم ترین کڑی حضرت ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ کی
انجمن خدام القرآن اور قرآن اکیڈمی بھی ہے جس کی اساس دین کے حقیقی اور بے غبار سرچشمے قرآن مجید
پر ہے جو تمام امت کے درمیان کلمۂ سواء کا درجہ رکھتا ہے اور دعوت کا یہ بنیادی اسلوب ہے کہ اپنے
کام کی اساس کلمۂ سواء ہی کو بنایا جائے تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ڈاکٹر
صاحب کی اِن مبارک کوششوں کو شرف قبولیت سے نوازے اور انہیں سارے عالم میں دین کے
احیاء اور اس کی سربلندی کا ذریعہ بنائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن